صوفیاء اور مظاہرِ رقص

فنونِ لطیفہ اور قواعد کی پابندی

فنونِ لطیفہ میں کئی چیزیں آتی ہیں۔ شاعری، موسیقی، رقص اور مصوری۔ ان سب کو انسانی فطرت سے بڑا گہرا لگاؤ ہے۔ فطرت کے کچھ تقاضے ایسے ہوتے ہیں جو بے ساختہ اندر سے ابھرتے ہیں اور وہ اس وقت کسی منطقی قاعدے قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ لیکن جب وہ جذبے بالکل بے ارتقا ہوتے ہیں تو مدنیت کے تقاضے اپنے قاعدے قانون، اصول اور ضابطے میں انھیں جکڑنے لگتے ہیں۔ یہ اصول و ضوابط اس لیے ہوتے ہیں کہ ان فطری تقاضوں کے اندر ترتیب و سلیقہ، اور حسن و جمال پیدا کر کے دلچسپی و لطافت میں مزید اضافہ ہو سکے۔ بلاشبہ ضوابط کی پابندیاں بعض اوقات انسانی ذہن میں نشاط پیدا کرنے کی بجائے اور "بوریت" پیدا کر دیتی ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ ان پابندیوں سے زندگی کے کسی مرحلے پر چھٹکارا نہیں۔

شعر وہ ہے جو بے ساختہ نکلے اور کسی فطری جذبے کی پوری پوری عکاسی کرے۔ لیکن جب اس میں کمال پیدا کرنے کی خواہش ہو تو بحر و وزن، تقطیع، ردیف، قافیے، زحاف، ایطائے جلی و خفی اور اس طرح کے کئی اصول و ضوابط کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ ...

یہی حال موسیقی کا ہے۔ ... گلے سے بے ساختہ جو موسیقی نکلتی ہے بس وہی اصل میں فطری موسیقی ہے لیکن جب اس میں غواصی کی جائے تو اتنے افسانہ قواعد و اصول ملیں گے کہ ان پر اس چھوٹی سی عمر میں عبور حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔

کائنات میں رقص

یہی حال رقص کا ہے۔ یہ بھی ایک تقاضائے فطرت ہے لیکن فنیت پیدا کرنے کے لیے اس کے اصول و قواعد کی بھی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

یہ ساری کائنات جن ناقابلِ تقسیم ذرات سے مرکب ہے انھیں ایٹم کہتے ہیں۔ ہر ایٹم کئی برقی لہروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس کے وسط میں نیوکلس ہے اور اس کے ارد گرد الیکٹرون، نیوٹرون، پروٹون مختلف سمتوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اپنی دنیا کو دیکھیے۔ بجائے خود یہ اپنے محور پر بھی گردش کرتی رہتی ہے اور اپنے مرکز آفتاب کے گرد بھی اپنے مدار پر طواف کرتی رہتی ہے۔ پھر نظامِ شمسی کا ہر رکن اسی طرح رقصاں ہے اور یہ پورا نظام خود بھی خدا جانے کس قبلۂ مقصود کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ غرض کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو رقص سے خالی ہو۔ غالب نے کتنے پتے کی بات کہی ہے:

حرکت ہے کائنات کو اک تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

اگر یہ انسان کی فطرت میں بھی موجود ہو تو تعجب کی کیا بات ہے؟

طاؤس کو دیکھیے۔ اس کا حسین ترین رقص اگر کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے تو اسے انسان کی بجائے پتھر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کی دُم کا ایک مدوّر اور حسین پنکھے کی طرح سایہ فگن ہونا، اس کی لرزش اور رقص بھرا سبک ... اس کے قدم کا عجیب انداز سے اٹھنا اور زمین پر ... اور اس کا پورے جسم کے گردش و رقص کرنا . . . . . . اُف یہ کیا کیا ادائیں ہوتی ہیں۔ خدا کی اس حسین کائنات میں انسان کو کہاں اس کا خدا نظر نہیں آتا؟ تاہم نغمہ نوازی پرندوں میں حسین و رنگین پرواز ہیں اور رقص طاؤس میں خصوصیت کے ساتھ جسے شانِ خداوندی کی نمود سمجھا جائے تو انسان کہنا ہی مشکل ہے۔ مرغ بھی رقص کرتا ہے اور کبوتر بھی ——— شیر تک جو بہ پہلو ... ہے لیکن طاؤس پہ حملہ نہیں کرتا کیونکہ وہ رقص کرتا ہوتا ہے اس کے رقص سے لطف ہوتا ہے۔ اور اگر آپ غور سے دیکھیں تو سورج مکھی کا آفتاب کی رفتار کے ساتھ گھومنا بھی ایک نیا انداز رقص ...

رقص ہر قوم میں ہے

رقص چند فطری حرکات کا مجموعہ ہے جو ساری کائنات میں موجود ہے خواہ اختیاری ہو یا غیر ...

اختیاری رقص جب تمدن و شعور میں قدم رکھتا ہے تو چند قاعدوں اور جدت طرازیوں کی پابندیاں بھی اختیار کر لیتا ہے۔ رقص دراصل ایک اندرونی تحریک ہے جو بعض حرکات کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ خوشی اور مستی بے خودی، جوش اور بعض اوقات غم بھی جہاں زبان پر نغمہ بن کر آتا ہے وہاں ہاتھ پاؤں میں یہی جذبات رقص بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے رقص بھی موسیقی کی طرح ایک عالمگیر حقیقت، فطری تقاضا ہے اور دنیا کی کوئی قوم بھی ایسی نہیں جو اپنی خاص موسیقی کی طرح اپنا مخصوص رقص بھی نہ رکھتی ہو۔ جنگلی اور وحشی قوموں میں بھی یہ دونوں چیزیں موجود ہیں اور متمدن و مہذب اقوام میں بھی۔ یہیں پاکستان میں دیکھ لیجیے۔ بنگال، سابق پنجاب، سندھ و سرحد میں ہر جگہ کے اپنے مخصوص ڈانس ہیں۔ بنگال کی تو تین چیزیں یوں بھی مشہور ہیں۔ باجا، کھاجا (مٹھائی) اور جھاجا (رقص)۔ سابق سندھ میں ہر تقریب شادی وغیرہ پر تمام مرد اور تمام عورتیں الگ الگ حلقوں میں خاص انداز سے لازماً رقص کرتے ہیں اور بچے بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ سابق پنجاب کا بھنگڑا ناچ اور سابق سرحد کا خٹک ڈانس تو اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان میں صرف موسیقیت اور قومی جذبات ہی کا تناسب نہیں ہوتا بلکہ اس میں جوہر شجاعت و مردانگی کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ یوں بھی رقص کی مشق ایک بڑی مشکل ریاضت ہے۔ عام آدمی تو چند منٹ میں تھک کر چور ہو جائیں۔

مذہب کیا چاہتا ہے؟

مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو کسی فطری جذبے کو ختم کرنے کی تلقین کرے۔ ہر مذہب فطری جذبات کا صحیح مصرف لینا بتاتا ہے۔ وہ تو ابلیس کو بھی ختم نہیں کرنا چاہتا بلکہ بفحوائے حدیث نبوی:

کشتن ابلیس کار مشکل است — زانکہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی — کشتۂ شمشیر قرآنش کنی (اقبال)

شیطان تو ایک آگ ہے۔ خواہ اس سے کھانا پکائیے یا گھر پھونک دیجیے۔ اگر اسی آگ سے تخریبی کام لیے جائیں تو وہ شیطان ہے اور تعمیری مقاصد میں اسے لگایا جائے تو عین زندگی اور جانِ ایمان ہے۔

پس جب شیطانی قوت کا یہ حال ہے جس کی برائی پر مذہب کا پورا لٹریچر گواہ ہے تو جو چیزیں عین فطرتِ انسانی میں داخل ہیں ـــــ مثلاً موسیقی اور رقص وغیرہ ـــــ ان کے متعلق کوئی مذہب

یہ رائے کب دے سکتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دو؟

مذاہب میں رقص

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ موسیقی یا رقص جیسے فطری جذبات کو کسی مذہب نے کلی دبایا نہیں ہے بلکہ اس کے تعمیری پہلوؤں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ دراصل تعزیری پہلو تو رقص و موسیقی ہی میں نہیں جہاں کہیں ہو مذہب اس سے روکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں زبور شریف کی بعض آیات اس کی تائید میں یوں ملتی ہیں:

"نرسنگھے کی آواز پر اس کی حمد کرو۔ دف بجاتے اور ناچتے ہوئے اس کی حمد کرو۔ تار دار سازوں اور بانسری کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ بلند آواز جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ زور سے جھنجھناتی جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔" (زبور باب ۱۵۰ آیات ۳ تا ۵)۔

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریحی ذوق کی تسکین کے لیے موسیقی و رقص کو قبول کیا گیا ہے۔ مثلاً مسند احمد جلد ۳، صفحہ ۱۵۲ کی ایک روایت یوں ہے:

کانت الحبشۃ یزفنون بین یدی	حبشی حضورؐ کے سامنے پاؤں مار مار کر دھڑک تھرک کر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویرقصون	ناچتے ہوئے یہ الاپ رہے تھے کہ محمدؐ عبد صالح
ویقولون محمد عبد صالح۔	(محمدؐ اللہ کے صالح بندے ہیں)۔

مسند کی دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

ان الحبشۃ کانوا یدفون بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویرقصون ویقولون محمد عبد صالح — حبشی حضورؐ کے سامنے دف بجاتے اور رقص کرتے ہوئے یہ الاپ رہے تھے کہ محمدؐ عبد صالح

غالباً یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تھے اور ایک طرف تو یہ حبشی مرد تھے اور ایک طرف لڑکیاں یہ الاپ رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار	ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔۔۔۔ الخ

اور دوسری طرف غور تیں اور بچے دونوں دف پر یہ استقبالی گیت گا رہے تھے:

طلع البدر علینا ۔ آج ہم پر چاند طلوع ہوا ہے ۔ ۔ ۔ الخ

اور اس کے بعد دوسرے موقعہ پر ایسا ہی واقعہ اور بھی پیش آیا جسے ترمذی نے سیدہ عائشہؓ کی زبانی یوں روایت کیا ہے :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسًا فسمعنا لغطًا وصوت صبيان فقام رسول الله فإذا حبشية تزفن والصبيان حولها فقال يا عائشة تعالي فانظري فجئت فوضعت لحيي على منكب رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ ۔ ۔ الخ

حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ شور اور بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ حضورؐ اٹھ کر گئے تو دیکھا کہ ایک حبشی عورت ہے جو تھرک تھرک کر رقص کر رہی ہے اور بچے اس کے گرد جمع ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ آؤ تم بھی دیکھو۔ میں آئی اور اپنی ٹھوڑی حضورؐ کے کاندھے پر رکھ کر دیکھنے لگی ۔ ۔ ۔ ۔

الجامع للاصول کے حاشیے پر اس حدیث کے لفظ تزفن کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :

تزفن ای ترقص وتضرب بالدف ۔ یعنی تزفن کا یہ مطلب ہے کہ وہ دف بجا بجا کر رقص کر رہی تھی۔

پھر اس حاشیے میں اس پوری حدیث اور اس سے پہلے نمبر کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :

وفي الحديثين عظيم لطف النبي صلى الله عليه وسلم بالعباد وجواز سماع اللهو بقدر الحاجة

ان دونوں روایتوں میں امت پر نبوی لطف و کرم کا ذکر ہے اور نیز ان روایتوں سے بقدر ضرورت سماع لہو (تفریحی گانے) کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

یہاں یہ پیش نظر رہے کہ محض گانا (سماع) سننے کا یہاں ذکر نہیں، اس کے لیے تو اور بہتیری روایتیں ہیں۔ یہاں "سماع لہو" کا ذکر ہے یعنی رقص کے کھیل کے ساتھ ۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ گانے بجانے کے ناجائز ہونے کی تو کئی ضعیف اور موضوع روایات موجود ہیں لیکن رقص کے عدم جواز کے بارے میں کوئی ضعیف موضوع روایت بھی نہیں چہ جائیکہ کوئی صحیح روایت یا قرآنی آیت ہوتی بلکہ اس کے برعکس مذکورہ بالا صحیح روایات سے رقص کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

فقہاء اور صوفیا کی روش

بہر کیف یہ بات یقینی ہے کہ رقص بھی موسیقی کی طرح فطرت انسانی کا ایک تقاضا ہے اور موسیقی

کی طرح اس سے بھی کچھ تعمیری کام لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے فقہاء ایسے نازک مراحل پر حرام و ناجائز کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر فنونِ لطیفہ کے صرف تاریک پہلوؤں پر زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ صرف صوفیاء کا طبقہ ایسا ہے جو وقت نظر اور وسعتِ نگاہ سے کام لیتا رہا ہے۔ صوفیا نے گانے بجانے کو نہ حرام کہہ کر چھوڑ دیا اور نہ اس کی کھلی چھٹی دے دی بلکہ اسے تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ چونکہ موسیقی اور رقص تقریباً توام ہیں اس لیے صوفیاء نے ان دونوں شیطانوں کو مسلمان کر کے اپنا مرید بنا لیا۔ وہ گانے بجانے کی محفلیں بھی منعقد کرتے رہے اور رقص بھی کرتے رہے جسے ان کی اصطلاح میں کیفیت، وجد، حال، دور اور ذوق وغیرہ کہتے ہیں۔ ان کے سامنے محض وہی روایات نہیں جو اوپر درج ہوئیں بلکہ ایک روایت اور بھی ہے اسے بھی سن لیجیے:

ایک روایت اور

سیر و حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں حضورؐ کی ادائے عمرہ کا ذکر موجود ہے جو صلح حدیبیہ کے دوسرے سال ۷ھ میں واقع ہوئی تھی۔ بنحوائے رؤیائے نبوی . . . لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ حضورؐ صحابہ کی انبوہِ کثیر کے ساتھ ادائے عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مکے سے واپسی کے موقع پر عُمارہ بنتِ حمزہؓ حضورؐ کے پاس چچا چچا کہتی ہوئی دوڑ کر آئیں۔ سیدنا علیؓ، سیدنا زید بن حارثہؓ، اور سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ، آپس میں جھگڑ پڑے کہ اس یتیم بچی کی پرورش کون کرے؟ (اپنی ہی بچی کو زندہ درگور کرنے والی قوم کے ان افراد کو دیکھیے جو آج غیر کی یتیم بچی کی پرورش کے لیے اپنا اپنا حق جتا رہے ہیں)۔ علیؓ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے لہٰذا اس کی پرورش میں کروں گا۔ حضورؐ نے یہ پاک جذبہ دیکھ کر فرمایا: انت منی وانا منک (تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں)۔ زیدؓ نے کہا: حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے اور یہ میری بھتیجی ہے لہٰذا اس کی پرورش کا میں حقدار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: انت مولیٰ اللہ و مولیٰ رسول اللہ (تم اللہ اور رسول دونوں کے مولا ہو)۔ جعفرؓ نے کہا: یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ (اسماءؓ بنتِ عمیس) میری بیوی بھی ہے جو ماں کا حق ادا کرے گی۔ حضورؐ نے جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا:- اشبھت خلقی وخلقی (تمہارا ظاہر و باطن دونوں

مجھ سے ملتے جلتے ہیں)۔ حضورؐ کی زبان سے یہ جملہ سن کر جعفرؓ پر وجد کی جو کیفیت طاری ہوئی اس کا نقشہ مؤرخین ومحدثین نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

فلما قضی بها لجعفر قام جعفر فحجل حول رسول الله صلی الله صلی الله علیہ وسلم فقال ما هذا یا جعفر؟ فقال یا رسول الله کان النجاشی اذا ارضی احدا قام فحجل حوله	جب حضورؐ نے (مذکورہ بالا جملہ فرما کر) جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا تو جعفرؓ اٹھے اور حضورؐ کے گرد ایک پاؤں اٹھا کر رقص کرنے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا جعفرؓ یہ کیا ہے؟ جعفرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! نجاشی جب کسی کو خوش کرتا ہے تو وہ اس کے گرد اس طرح رقص کرتا ہے۔

یہ روایت ابوداؤد، بیہقی، ابن ہشام وغیرہ نے بھی نقل کی ہے اور واقدی نے بھی۔

شیخ کا استدلال

اس روایت کو شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی نے اپنی مشہور کتاب "آداب المریدین" میں نقل فرما کر جوازِ وجد ورقص پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ "سماع سننے سے بعضوں کو خشیت، حزن یا شوق پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے گریہ یا نعرہ کرتے ہیں اور بعضوں پر انبساط و وجد طاری ہوتا ہے جس کے باعث وہ رقص کرتے ہیں۔" صوفیاء اپنے تمام وظائف واعمال کے لیے کوئی نہ کوئی سند رکھتے ہیں خواہ وہ قوی ہو یا ضعیف۔

یہ بھی سن لیجیے کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ یہ پانچویں صدی کے وہ بزرگ ہیں جو بانی سلسلۂ سہروردیہ ہیں۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرشد بھی ہیں اور چچا بھی۔ اکابر فقہا و محدثین میں ان کا شمار ہے۔ طبقات الشافعیہ، تاریخ ابن خلکان، مرآۃ الجنان، اور کتاب الانساب (سمعانی) میں آپ کے تبحرِ علمی کا اعتراف ہے۔ عرصۂ دراز تک مدرسۂ نظامیہ بغداد کے استاذ الکل (پرنسپل) رہے ہیں۔ سرتاج صوفیا ہیں اور سلسلۂ شہابیہ وکسرویہ وفردوسیہ سب آپ تک منتہی ہوتے ہیں۔

صوفیا کا رقص

صوفیا میں جو حضرات اہلِ سماع اور صاحبِ وجد و رقص گزرے ہیں ان کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں تک پہنچتی ہے اس لیے کہ ہر سلسلۂ طریقت میں بے شمار حضرات وجد و رقص کرتے رہے ہیں۔ صرف ان کے ناموں کی فہرست سے کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، ان میں علماء، قاضی، مفتی، شیوخِ اسلام، اہلِ طریقت سب ہی قسم کے حضرات ہیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس وجد و رقص کو روحانیت یا تزکیۂ نفس یا اصلاحِ معاشرہ سے کوئی لگاؤ رہا ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ مضمون ہے جو سرِ دست زیرِ بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ علم و فضل اور پختہ سیرت و کردار رکھنے والے ان گنت حضرات ایسے گزرے ہیں جن کی ثقاہت و عظمت پر اجماعِ امت رہا ہے، اور وہ صاحبِ وجد و رقص ہوئے ہیں اور خود ان کے قول کے مطابق اسی وجد و رقص سے انھیں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

ایک اصلاح

صوفیا نے رقص میں ایک بڑی اصلاح یہ کی کہ اپنے وجد و رقص کو عورتوں سے بالکل الگ رکھا۔ اوپر کی ترمذی کی روایت سے اگرچہ ایک حبشی عورت کا رقص دیکھنا ثابت ہوتا ہے اور وہ بھی بلا وجد و کیفیت رقص، لیکن اولاً یہ مثال شاذ و نادر ہے۔ دوسرے عوامی معاشرے میں اس لائق نہیں کہ مردوں کے لیے عورتوں کا یا عورتوں کے لیے مردوں کا رقص دیکھنا مناسب ہو۔ ہر شخص کو اپنے نفس کا محاسبہ خود ہی کر کے دیکھنا چاہیے کہ کس قسم کی موسیقی و رقص سے اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ایک واضح فرق

یہاں اس نکتے کو فراموش نہ کیجیے کہ ان حضرات کی موسیقی اور رقص کے درمیان ایک نمایاں فرق رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے بہتیرے حضرات ایسے ہیں جو موسیقی سے محض سماعی حیثیت ہی سے دلچسپی نہیں لیتے رہے ہیں بلکہ فنِ موسیقی کے ماہر بھی ہوئے ہیں یعنی انھیں فنی لگاؤ بھی خاصا رہا ہے۔ لیکن ہماری محدود معلومات کے مطابق رقص سے ان کی دلچسپی فنی نہیں رہی ہے اور اس کی ایک معقول وجہ

بھی ہے۔ یعنی ان حضرات کا رقص کبھی اظہارِ فن کے طور پر نہیں ہوا بلکہ یہ ہمیشہ وجد کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ بلکہ جوش و بیخودی اور سرمستی و مدہوشی کے نتیجے میں ان کا رقص ظاہر ہوتا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں بیخودی کا عالم طاری ہو وہاں اظہارِ فن کا ——— درانحالیکہ انھیں اس سے واسطہ بھی نہ رہا ہو ——— سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سرخوشی و سرمستی بلاشبہ ہر ایک صاحبِ وجد و رقص کو ایک مخصوص طرزِ رقص عطا کر دیتی ہے لیکن اس کا فنِ رقص سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض گانے والے فنِ موسیقی سے قطعی نابلد ہوتے ہیں اور انھوں نے کسی سے یہ فن سیکھا نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی آواز کے بعض اتار چڑھاؤ، تانیں، زمزمے، مرکیاں اور دانے اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے فن کار بھی عش عش کر اٹھتے ہیں۔ گانے والے کو خود نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کیا کہہ گیا لیکن فنکار جھوم جاتے ہیں اور بعض اوقات خود فن کار ان بار یکیوں کو ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

یہی صورتِ حال وجد و حال کی ہوتی ہے کہ عالمِ بے خودی میں ان سے ارادہ و قصد کے بغیر بعض اتنی حسین و دلکش رقصی حرکات ظاہر ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مشایخ بہار کا رقص

اس وقت حال اور رقص کا زیادہ چلن صوبۂ بہار کے مشائخوں میں ہے یا طریقۂ مولویہ کے متوسلین میں جو حوالیِ ترکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ثانی الذکر کو دیکھنے کا تو ہمیں اتفاق نہیں ہوا لیکن اول الذکر سے بہت سابقہ رہا ہے۔ ان میں سے ہر شیخ کا اپنا طرزِ رقص ہے اور اس شیخ کے متوسلین بھی اسی طرز کو اپناتے ہیں۔ یہ بڑا مسحور کن منظر ہوتا ہے۔ رونا، تڑپنا، اچھلنا، کودنا، گھومنا، چکر کاٹنا، ایک دوسرے سے لپٹنا، چشم و ابرو اور ہاتھ پاؤں کی مخصوص حرکات، غرض بڑا دلچسپ منظر ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جوش و مستی کے ساتھ ہوش و گوش بھی قائم رہتا ہے۔ یہ فنی رقص نہیں مگر دلچسپ رقص ضرور ہے اور سفلی جذبات کا وہ عنصر بھی نہیں جس کا فنکارانہ رقص میں امکان ہوتا ہے۔

ہندو صوفیا کا رقص

بالکل اسی انداز کا حال و وجد اور ذوق و رقص بعض ہندو فرقوں میں بھی پایا جاتا ہے اور "بھجنا تھ" کی تیرتھ گاہ میں اب بھی اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال صوفیا نے موسیقی اور رقص دونوں کو اپنے اسلامی قالب میں ڈھالنے کی ایک اچھی کوشش کی ہے۔